Marking Scheme 2024-2025

Subject Urdu

Course A

Code 003

Class X

Time: 3 Hours Maximum Marks: 80

Section A (حصہ الف)

سوال نمبر1۔ مندر جہ ذیل غیر درسی اقتباس کو غور سے پڑھئیے اور اس پر مبنی سوالوں کے جواب لکھئے۔ (5x1=5)

(i) (B) زبان

(ii) (B)الفاظ

(iii) الفاظ سانچہ ہیں جن میں خیالات ڈھلتے ہیں۔

(iv) انسان جو کچھ محسوس کرتااور سوچتاہےاس کو بیان کر سکتاہے۔

(v) زبان۔

سوال نمبر2۔ مندر جہ ذیل غیر درسی شعری اقتباس کو غور سے پڑھئے اور اس سے متعلق پوچھے گئے سوالوں کے جواب لکھئے۔ (5x1=5)

(i) (B) صاحب عقل

(ii) (D) اخلاقیات

(iii) "کینہ رکھتا ہے شتر" یہ فقرہ گہری عداوت اور دلی دشمنی کے لئے رائج ہے یعنی عداوت و دشمنی رکھنا حیوان کا کام ہے ہم انسانوں کا نہیں۔

(iv) کسی سے پہنچے نقصاں کو یاد رکھنے میں ہمارا زیاں ہے۔

(v) اس نظم کا عنوان "بھول جاؤ" مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سوال نمبر3۔ مندرجہ ذیل درسی اقتباس کو غور سے پڑھئے اور پوچھے گئے سوالوں کے جواب دیجیے۔ (5x1=5)

(i) (C) چار

(ii) (D) عادتیں

(iii) 'پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے تو ٹل جائے لیکن آدمی اپنی جبلت سے نہیں ٹل سکتا' سے مراد یہ ہے کہ انسان کی فطرت کا بدلنا ناممکن ہے۔

(iv) زیادہ تر اخلاق و عادات۔

(v) بائیو گرافی کا اصل مقصد ہیرو کے اخلاق و عادات و خیالات کا دنیا پر روشن کرنا ہے۔

سوال نمبر4۔ درج ذیل شعری اقتباس کو غور سے پڑھئے اور اس سے متعلق پوچھے گئے سوالات کا جواب دیجئے۔ (5x1=5)

(i) (A) غزل۔

(ii) (D) فانی بدایونی۔

(iii) غم و اداسی کا۔

(iv) پہلے شعر میں صنعت تضاد استعمال ہوئی ہے۔

(v) دل وہ نرالی بستی ہے جو ایک بار اجڑ جائے تو دوبارہ آباد نہیں ہو سکتی۔

Section B (حصہ ب)

سوال نمبر 5۔ درج ذیل عنوانات میں سے کسی ایک پر ملک 300-- 250 الفاظ پر مشتمل مضمون لکھئے۔ (10)

گلوبل وارمنگ: ایک خطرہ

گلوبل وارمنگ موجودہ دور کا ایک انتہائی سنگین مسئلہ ہے جو ہمارے جدید اور ترقی یافتہ معاشرے میں بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ گلوبل وارمنگ کی وجہ سے ہم جس ماحول میں زندگی گزار رہے ہیں وہ ماحول روز بہ روز خراب ہوتا جا رہا ہے۔ جس کے مضر اثرات ہماری صحت پر پڑ رہے ہیں اور اس کے باعث ہم گوناگوں پریشانیوں میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ موسمی تبدیلیاں، زمینی، فضائی اور آبی آلودگی، شہروں میں آبادی کا بڑھتا ہوا دباؤ، اوزون کی پرت میں ہونے والے شگاف، کوڑا کرکٹ ٹھکانے لگانے کا مسئلہ، جنگلات کی کٹائی کے منفی اثرات، جنگلی حیاتیات اور سمندری حیاتیات کی بتدریج تباہی، سمندروں کی سطح کا بلند ہونا، برفانی طوفان، موسلادھار بارشیں، خشک سالی، غذائی قلت، بھوک، قحط سمیت دیگر مسائل ان میں شامل ہیں۔

گلوبل وارمنگ نے پوری کائنات کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے اور اس کا منفی اثر تمام مخلوق پر پڑ رہا ہے۔ گلوبل وارمنگ یعنی عالمی حدت سے مراد کرۂ ارض کی سطح پر تیزی سے بڑھتا ہوا درجہ حرارت ہے۔ ماحولیاتی مطالعات کی روشنی میں برابر یہ بات سامنے آرہی ہے کہ زمین پر درجہ حرارت لگاتار بڑھ رہا ہے۔ گلوبل وارمنگ کی وجہ سے گلیشئروں کی برف پگھل رہی ہے جس کے نتیجے میں سیلاب آرہے ہیں اور آنے والے وقت میں اس کیفیت میں اور اضافے کا اندیشہ ہے۔ خشک علاقوں میں زمینیں بنجر ہونے اور پھٹنے کا امکان ہے جس کی وجہ سے قحط اور بھوک مری کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اگر گلوبل وارمنگ پر ہم قابو نہیں پاتے ہیں تو وہ دن دور نہیں جب ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے اور ہمارے نشانات دنیا سے ہمیشہ ہمیش کے لئے مٹ جائیں گے۔

لہٰذا گلوبل وارمنگ سے بچنے کی ہمیں تدبیر کرنی چاہئے۔ڈھیر سارے پیڑ پودے لگانے چاہیے ساتھ ہی ساتھ فطرت سے قریب تر رہنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ہمیں گندگی پھیلانے سے خود بھی رکنا چاہیے اور دوسروں کو بھی روکنا چاہیے۔

قومی یکجہتی ملک کی ضرورت

"یکجہتی" کے معنی آپس میں اتحادواتفاق کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے ہیں۔یوں تو یکجہتی ایک چھوٹا سا لفظ ہے مگر یہ لفظ اتنا جامع ہے کہ اس کے اندر معنی کا ایک جہاں پوشیدہ ہے۔ انفرادی قوت ، فکری قوت، معاشرتی قوت، اقتصادی قوت اور سائنسی قوت وغیرہ کااستعمال ملک کی بھلائی کے لئے مل جل کر کرنا ہی قومی یکجہتی ہے۔ اگر تمام انسانی قوتوں اور صلاحیتوں میں مطابقت اور افکار و کردار اور قول و فعل میں کسی قسم کا تضاد نہ رہے تو اتحاد کی بدولت بہتر فضا پیدا ہو سکتی ہے۔

قومی یکجہتی کا مطلب یہ ہے کہ پوری قوم بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ پوری بنی نوع ایک ہو جا ئے اور زندگی کے کسی شعبے میں ان میں تفریق نہ پائی جائے۔ دنیا میں کوئی بھی مذہب ایسا نہیں جو ہمیں یہ سکھائے کہ انسان کو انسان سے نفرت کرنی چاہیے۔ہر ایک مذہب اخوت اور انسانیت کا درس دیتا ہے خدا کے بندوں سے پیار کرنے کی تلقین کرتا ہے اور یہ سکھاتا ہے کہ اپنے ہمسایوں کے ساتھ مل جل کر رہو۔

تاریخ کے جس موڑ پر ہم اس وقت کھڑے ہیں وہ ہمیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا ہے۔ وطن عزیز اس وقت نازک دور سے گزر رہا ہے۔ آپسی اختلافات ختم کرنے اور اتحاد و یگانگت کی جتنی ضرورت آج ہے شاید پہلے کبھی نہ تھی۔

خدا کے فضل سے ہمارا ملک قدرت کے عطا کردہ بے پناہ وسائل سے مالا مال ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ذاتی مفادات سے بالا تر ہو کر اجتماعی مفادات کے لئے اپنی توانائیاں خرچ کریں۔بحیثیت ایک قوم ہمیں منتخب حکومت پر اعتماد کرنا چاہیے امن وامان کی بحالی اور معیشت کے استحکام کے لئے حکومت کی مدد کرنی چاہیے۔تاریخ اس بات کی گواہ ہے جب تک ملک کے لوگوں میں اتحاد و اتفاق رہا دنیا کی کوئی طاقت

انہیں شکست نہیں دے سکی لیکن جونہی ان میں تفرقہ پڑا تو ان کی ہوا اکھڑ گئی۔ ہمیں موجودہ چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے انفرادی اور اجتماعی سطح پر مثبت سوچ کے ساتھ آگے بڑھنا ہو گا تاکہ ہماراوطن دنیا کے نقشے پر ایک مضبوط، پرامن اور فلاحی ملک بن کر چمکے۔

دہشت گردی ملک کی سالمیت کے لئے خطرہ

خوف و ہراس پیدا کرکے اپنے مقاصد کے حصول کی خاطر ایسا نپا تلا طریقۂ کار یا حکمتِ عملی اختیار کرنا جس سے قصوروار اور بے قصور کی تمیز کے بغیر (عام شہریوں سمیت) ہر ممکنہ ہدف کو ملوث کرتے ہوئے، وسیع پیمانے پر دہشت و تکلیف اور رعب و اضطراب پھیلانا دہشت گردی ہے۔

دہشت گردی سے ملک کی سالمیت کوایک بڑاخطرہ ہے۔اس کے سبب ملک کومالی نقصان تو پہنچتاہی ہے ساتھ ہی ساتھ ملک کاامن واماں اور سکون بھی غارت ہونے لگتاہے۔شہری خود کو محفوظ محسوس نہیں کرتے اور ملک کی شبیہ خراب ہونے لگتی ہے۔اگر دہشت گردی پر پوری طرح قابو پانے کے لئے ٹھوس قدم نہ اٹھایا گیاتو بے شک ملک میں افراتفری کاماحول بن جائے گااور ایک طرح کا جنگل راج آجائے گا۔یوں ملک کی سالمیت خطرے میں پڑ جائے گی۔

آج ملک کے سامنے سب سے بڑا اور سنگین مسئلہ ہے دہشت گردی جس سے ملک کو بے پناہ نقصان پہنچ رہا ہے۔دہشت گرد تنظیمیں اپنے ذاتی مفاد کے لیے بم کانڈ اور دوسری تخریب کاریوں کے ذریعے بے گناہ عوام کاخون بہاتی ہیں اور ملک کی ترقی میں مخل ہوتی ہیں۔

دہشت گردی اور انتہا پسندی ملک کی سالمیت کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہیں، پوری قوم اگر دہشت گردوں کے خلاف یک آواز نہ ہوئی تو اس کے سنگین نتائج کا سامنا کرنا پڑ سکتاہے۔

دہشت گردی کا کسی مذہب سے کوئی لینادینا نہیں ہے کیوں کہ کوئی بھی مذہب دہشت گردی کو فروغ دینے کی بات نہیں کرتا بلکہ تمام مذاہب میں فتنہ وفساد پھیلاناایک بڑاگناہ ہے۔اگر دہشت گردی کے وجوہات کی بات کریں تو اس کی کچھ خاص وجہیں ہیں جیسے غربت، بے روزگاری، انصاف کانہ ملنا، تعلیم کی کمی، آبادی میں اضافہ، مذہب کاغلط استعمال اور فرقہ واریت۔ظاہر ہے ہمیں اگر دہشت گردی پر قابو پاناہے توان مسائل کا حل نکالناہی پڑے گا۔

سوال نمبر6۔ اپنے دوست کو اپنے بھائی کی شادی میں مدعو کرنے کے لئے ایک خط لکھئے۔ (1x4=4)

اعظم گڑھ شہر، اترپردیش

مورخہ 10/جون 2024

میرے پیارے دوست راہل!

آداب۔

کہو کیسے مزاج ہیں۔ تعطیلات گرمہ کی کیا مصروفیات ہیں۔ میری بات ذرا غور سے سننا مورخہ 30/جون 2024 بروز اتوار بوقت شام سات بجے میرے بھائی کی شادی ہونا قرار پائی ہے۔

میں تمہیں اور تمہارے اہل خاندان کو اس تقریب شادی میں مدعو کرتا ہوں۔اُمید ہے تم میرے بھائی کی شادی میں شرکت فرما کر تقریب شادی کو مزید پُر رونق بناؤ گے۔

خدا حافظ

تمہارا دوست: خالد ابن زید۔

یا

اپنے اسکول کی لائبریری میں اردو اخبار منگوانے کے لئے پرنسپل کو درخواست لکھئے۔

بخدمت جناب پرنسپل صاحب

اقرا پبلک اسکول

منڈیار، پھول پور، اترپردیش

موضوع: درخواست لائبریری میں اردو اخبار منگوانے کی۔

جناب من!

امید کرتا ہوں آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

گزارش یہ ہے کہ اسکول لائبریری میں انگریزی اور ہندی کے اخبار تو آتے ہیں لیکن اردو اخبار نہیں آتا حالاں کہ بہت سے طلبہ اردو اخبار پڑھنے کے خواہش مند ہیں براہ کرم اردو اخبار بھی منگوانے کی زحمت کریں، عین نوازش ہو گی۔

فقط والسلام

آپ کا فرمانبردار شاگرد | تاریخ

طلحہ ابن احمد | 10/ اپریل 2024

طالب علم جماعت دہم (بی)

سوال نمبر 7۔ سر سید احمد خاں کی زندگی کے اہم واقعات 100 الفاظ میں لکھیے۔ (1x4=4)

سر سید احمد خاں نے تیر اندازی بھی سیکھی تھی۔ ظہر کی نماز کے بعد تیر اندازی شروع ہوتی۔ نواب، شاہزادے، رئیس اور شوقین اس تیر اندازی کے جلسے میں شریک ہوتے تھے۔ نواب شمس الدین خاں رئیس فیروز پور جھرکہ جب دلّی میں ہوتے تھے تو وہ بھی آتے تھے۔ سر سید احمد خاں نے اسی زمانے میں تیراندازی سیکھی تھی اور انہیں خاصی مشق ہو گئی تھی۔ ایک دفعہ سر سید احمد خاں کا نشانہ جو تودے میں نہایت صفائی اور خوبی سے جاکر بیٹھا تو ان کے والد بہت خوش ہوئے اور کہا " مچھلی کے جائے کو کون تیرنا سکھائے۔"

1869ء میں سر سید احمد خاں ایک سال کے لیے انگلستان گئے تھے۔ جہاں انہوں نے انگریزی رسالوں اور کالجوں کا بخوبی جائزہ لیا اور واپس آکر انگریزی کے علمی اور سماجی رسالوں ہی کی طرز پر اپنا ایک رسالہ تہذیب الاخلاق نکالنا شروع کیا۔ انگلستان سے واپس آکر علی گڑھ میں 1875ء میں ایک اسکول کھولا جو آج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی شکل میں ہندوستان کا ایک نمایاں تعلیمی ادارہ بن گیا ہے۔

یا

افسانہ "نیا قانون" کا خلاصہ لکھئے۔

منگو کوچوان کبھی اسکول نہ گیا تھا، مگر اپنی معلومات کے باعث اپنے سے نسبتاً کم عقلوں میں ذہین مانا جاتا تھا۔استاد منگو انگریزوں سے سخت نفرت کرتا تھا۔اسے یہ گوارا نہیں تھا کہ اس کے ملک پر انگریز راج کریں۔وہ جب کسی شرابی انگریز سے الجھتا یا ذلیل ہوتا تو اڈے پر آکر اپنے ساتھیوں کے سامنے ان کی برائیاں کرتا، گالیاں بکتا اور کسی نئے قانون جس سے انگریز یہاں سے چلے جائیں کا انتظار کرتا۔ایک روز دو سواریوں کے مابین نئے قانون یعنی انڈیا ایکٹ کی بات سنی تو وہ بہت خوش ہوا۔معلوم ہوا یکم اپریل سے نیا آئین نافذ ہو گا۔نتھو گنجا پگڑی بغل میں دبائے آیا تو منگو نے اسے نئے قانون کے متعلق بتایا۔ایک روز تین نوجوان اس کے یکے پر سوار ہوئے اور انھوں نے نئے قانون کے فوائد پر روشنی ڈالی کہ قانون کے تحت لوگوں کو روزگار ملے گا۔سرکار نوکریاں پیدا کرے گی۔منگو کی نظر میں اب نئے قانون کی اہمیت اور بڑھ گئی۔اس نے نئے قانون کے متعلق مثبت اور منفی دونوں آراء سن رکھیں تھی مگر وہ اپنی خود ساختہ سوچ کو ہی سب پر ترجیح دیتا تھا اور سمجھتا تھا کہ نئے قانون کے نافذ ہوتے ہی ہندستان میں ہندستانیوں کی حکومت قائم ہو جائے گی۔

یکم اپریل کی صبح بھی آگئی لیکن منگو نے آسمان کو، لوگوں کو، ہر شے کو ویسے کا ویسا ہی پرانا پایا۔اسے سب پرانا لگ رہا تھا۔اسے نئے قانون کی کوئی درخشاں جھلک دکھائی نہ دے رہی تھی۔

سگریٹ سلگا کر وہ اپنے یکے کی پچھلی نشست کی گدی پر بیٹھ گیا۔تبھی اسے یوں محسوس ہوا کہ کوئی سواری اسے بلا رہی ہے۔سڑک کے اس پار ایک گورا ہاتھ ہلا کر اسے بلا رہا تھا۔پہلے پہل تو اس نے اسے لے جانے سے انکار کرنے کا ارادہ کیا مگر پھر اس نے سوچا کہ پیسے چھوڑنا بیوقوفی ہے۔

استاد منگو نے گورے سے پوچھا کہاں جانا ہے تو اس گورے نے ہیرا منڈی کہا۔منگو نے پہچان لیا کہ یہ وہی گورا ہے جس سے اس کی پہلے بھی جھڑپ ہو چکی ہے۔منگو نے ذرا تن کر کرایہ بے حد زیادہ بتایا۔کچھ منہ زوریاں ہوئی تو استاد منگو نے گورے اور نئے قانون کو ذہن میں لاکر گورے کو پیٹنا شروع کر دیا اور ساتھ ہی ساتھ یہ کہتا جاتا کہ پہلی اپریل کو بھی وہی اکڑ فوں اب ہمارا راج ہے بچہ۔لوگ جمع ہو گئے۔دو سپاہیوں

نے استاد منگو کے ہاتھوں سے گورے کو چھڑایا۔استاد منگو نئے قانون کے سرور میں مبتلا تھا۔سپاہی استاد منگو کو تھانے میں لے گئے۔تمام راستے استاد منگو نیا قانون، نیا قانون چلاتا رہا۔

نیا قانون، نیا قانون۔کیا بک رہے ہو؟ قانون وہی ہے پرانا۔سپاہی نے کہا اور استاد منگو کو حوالات میں بند کر دیا۔

سوال نمبر8۔ اکبرالٰہ آبادی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ لکھئے۔ (1x3=3)

سید اکبر حسین رضوی نام، اکبرؔ تخلص تھا۔1846ءمیں ضلع الٰہ آباد میں پیدا ہوئے۔بچپن ضلع شاہ آباد میں گزرا۔1855ء میں اپنے خاندان کے ساتھ الٰہ آباد گئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔یہاں پہلے ایک مکتب اور پھر جمنا مشن اسکول میں داخل ہوئے لیکن 1857ء کے انقلاب کے باعث تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ملازمت کی ابتدا عرضی نویسی سے کی۔کچھ مدت کے بعد الٰہ آباد ضلع میں نائب تحصیلدار ہو گئے۔ ہائی کورٹ کی وکالت کا امتحان پاس کر کے وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔منصف کے عہدے پر بھی مامور ہوئے۔1898ء میں انہیں حکومت سے خان بہادر کا خطاب ملا۔ 1921ءمیں الٰہ آباد ہی میں ان کا انتقال ہوا۔

اکبرالٰہ آبادی ایک پیامی شاعر تھے اور ان کا پیغام تھا کہ جدید تہذیب کے طوفان سے بچو اور اپنی پرانی تہذیب سے رشتہ استوار کرو۔انہوں نے اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں روایتی انداز کی غزلیں بھی کہیں مگر انہیں جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ وہ اصلاحی شاعری کے لیے بنے ہیں اور اصلاحی شاعر کولامحالہ نظم کا سہارا لینا پڑتا ہے۔چنانچہ انہوں نے نظم کا سہارا لیا اور اردو نظم پر اپنا دائمی نقش چھوڑا۔

یا

نظم "جلوۂ دربار دہلی" کا خلاصہ لکھئے۔

دسمبر 1898ء میں لارڈ کرزن نئے وائسرائے کی حیثیت سے ہندوستان آئے۔انہوں نے 1903ء میں دہلی دربار کیا، اسی دربار پر اکبرالہ آبادی نے یہ نظم لکھی ہے۔

اکبرؔ دربار دہلی دیکھنے آئے تو انہوں نے دریائے جمنا کا پاٹ صاف ستھرے گھاٹ، پلٹن، رسالے، فوجی اور بینڈ بجانے والے دیکھے۔ شہر دہلی میں کشمیری گیٹ سے کنگز وے کیمپ تک خیموں کا ایک جنگل سا بن گیا تھا۔ صاف ستھری سڑکیں، پانی اور روشنی کا معقول انتظام تھا۔ ڈالیوں میں نارنگی، محفل میں سارنگی اور جھومتے ہوئے بھاری بھرکم ہاتھی بھی تھے۔ لوگوں کا ہجوم تھا۔ اچھے اچھے یہاں بھٹک رہے تھے اور ان کا دل دربار میں اٹکا ہوا تھا۔ ہرطرف نعمتوں کا انبار تھا اور بھیڑ اس قدر تھی کہ اکبرؔ نے دور ہی سے جلوۂ دربار دیکھا۔

سوال نمبر 9۔ افسانہ "گلی ڈنڈا" یا "دوفرلانگ لمبی سڑک" میں سے آپ کس کہانی سے زیادہ متاثر ہیں اور کیوں؟ 100 الفاظ میں جواب لکھئے۔ (1x4=4)

افسانہ "گلی ڈنڈا" میں منشی پریم چندنے دیہی زندگی اور اس سے جڑے ہوئے افراد کی فطری سادگی، غریبی کے ہاتھوں ستائے ہوئے لوگوں اور نخوت و پندار سے سرشار آسودہ حال طبقہ کے درمیان پائی جانے والی نفسیاتی کشمکش اور تفاوت کو ایک دیہاتی کھیل گلی ڈنڈے کے ذریعے دکھانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

وہیں افسانہ "دوفرلانگ لمبی سڑک" میں کرشن چندر نے سڑک کے کنارے ہو رہی بربریت و حیوانیت کی بڑے دلچسپ انداز میں تصویر کشی کی ہے اور لوگوں کی بے حسی پر بڑا کاری طنز کرتی ہے۔ اس افسانے میں سڑک کو بے حس انسانوں کی علامت کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

میں ان دونوں کہانیوں میں سے "دوفرلانگ لمبی سڑک" سے زیادہ متاثر ہوں کیوں کہ یہ کہانی ہم انسانوں کو انسانیت کا درس دینے کے ساتھ ساتھ ہمیں ہماری بے حسی و بے مروتی پر جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے۔

محتاجوں اور فقیروں کی صدائیں، تانگے والے سے پولیس کا رشوت لینا، غریبوں پر گوروں کے مظالم، مزدور عورتوں کی بے بسی، سڑک کے کنارے مرے ہوئے بوڑھے گداگر کی پڑی نعش اور عورتوں کو گھورتی دولت مندوں کی بے مروت نگاہیں، واقعی میں کسی بھی زندہ دل انسان کو جھنجھوڑ کر رکھ دینے کے لئے اور سوچنے پر مجبور کر دینے کے لئے کافی ہیں۔

یا

جگر صاحب کی شخصیت پر ایک نوٹ لکھئے۔

جگر صاحب بڑے خوش مذاق انسان ہیں ہر وقت بقراط بنے نہیں بیٹھے رہتے۔دوستوں میں بڑے بے تکلف ہوتے ہیں۔ باتوں باتوں میں کوئی نہ کوئی فقرہ چپکا دیں گے پھر کھلکھلا کر ہنسیں گے پھر ذراسی ہنسی کو روکیں گے اور "اوں" کہہ کر پھر ہنسیں گے اور خوب ہنسیں گے۔

جگر صاحب ہر بات میں نفاست پسند ہیں۔نفاست ان کی زندگی ہے۔ کسی نے پہلی بار انہیں کسی مشاعرے میں پڑھتے سنا تو اس نے بآواز بلند کہا کہ جتنے یہ بدصورت ہیں، پڑھتے ہوئے اتنے ہی خوب صورت معلوم ہوتے ہیں۔

جگر صاحب بڑی بھول بھلیاں ہیں۔انہیں کوئی بات یاد نہیں رہتی۔آپ کا ان کا ہفتوں ساتھ ہو جائے اتفاق سے درمیان میں دو چار برس ملاقات نہ ہو تو وہ آپ کو قریب قریب بھول جائیں گے۔دوبارہ ملاقات پر جب آپ ان سے کہیں گے کہ جگر صاحب پہچانا؟ تو وہ کہیں گے "بھئی! کچھ آنکھیں مانوس ہیں اِس وقت یاد نہیں آرہا ہے کہ کہاں ملاقات ہوئی تھی۔"

جگر صاحب بلا کے وضع دار اور انسان دوست ہیں۔ وہ انسانیت کے احترام کے قائل تھے۔ جگر صاحب کا بیان ہے کہ ایک صاحب سے ملاقات ہوئی انہوں نے بڑی نیاز مندی کا اظہار کیا میں نے سوچا کوئی ملنے والا ہوگا۔ بازار سے کچھ سامان خریدا پھر تانگے پر بیٹھ کر یہاں آئے راستے میں ان صاحب نے میری جیب سے کچھ نکالا میں نے سوچا مجھے بدگمانی ہوئی ہے ایسا نہیں ہو سکتا جب جیب ٹٹولا تو بٹوہ غائب تھا میں نے اپنا بٹوہ ان کے ہاتھ میں دیکھ بھی لیا تھا۔لیکن میں نے انہیں کچھ نہیں کہا۔ اگر میں ان سے کہتا کہ آپ نے میرا بٹوہ چرالیا ہے تو اس وقت ان کو جو پریشانی ہوتی وہ مجھ سے دیکھی نہ جاتی۔

Section C (حصہ ج)

سوال نمبر10۔ (i) جس فعل کا اثر صرف فاعل تک محدود رہے یعنی جو فعل صرف فاعل کی مدد سے

پورا مفہوم ادا کردے اسے 'فعل لازم' کہا جاتا ہے۔ (2)

جیسے: سیتا مسکرا رہی ہے۔گھوڑا دوڑ رہا ہے۔

فعل متعدی: جس فعل کا اثر فاعل سے گزر کر مفعول تک جا پہنچے یعنی جو فعل صرف فاعل کی مدد سے پورا مطلب ادا نہ کر سکے بلکہ مفعول کا بھی محتاج ہو تو ایسے فعل کو 'فعل متعدی' کہا جاتا ہے۔

جیسے: موہن نے خط لکھا۔ عمر پانی پی رہا ہے۔

(ii) فعل ماضی: جس فعل سے یہ معلوم ہو کہ کام گزرے ہوئے زمانے میں ہو چکا ہے۔ (2)

جیسے: زید کھانا کھا چکا ہے۔

فعل حال: جس فعل سے یہ معلوم ہو کہ کام موجودہ زمانے میں ہو رہا ہے۔

جیسے: ثنا لکھ رہی ہے۔

فعل مستقبل: جس فعل سے یہ معلوم ہو کہ کام آنے والے زمانے میں ہو گا۔

جیسے: راہل کل دہلی جائے گا۔

(iii) (D) فعل مجہول (1)

سوال نمبر 11۔ (i) صنعت تلمیح: کلام میں کسی مشہور تاریخی واقعے، قصے یا مسئلے کی طرف اشارہ کرنے کو تلمیح کہتے ہیں۔ (2)

جیسے: کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب　　　آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

(ii) (B) صنعت تضاد (1)

(iii) استعارہ: استعارہ کے معنی 'ادھار لینا' ہیں۔ استعارہ مجاز کی ایک قسم ہے۔ (2)

استعارہ میں لفظ کو معنوی مناسبت کی وجہ سے دوسرے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ جہاں لفظ اپنے لغوی معنی کو ترک کر کے لسانی سیاق و سباق کے اعتبار سے نئے معنی مستعار لیتا ہے۔

جیسے: آئین جواں مرداں ، حق گوئی و بے باکی   اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

سوال نمبر12۔ (i)درج ذیل محاوروں اور کہاوتوں میں سے کسی چار کو جملے میں استعمال کیجیے۔ (4)

پھولے نہ سمانا: (بہت زیادہ خوش ہونا) طالب علم کی کامیابی پر والدین پھولے نہ سمارہے تھے۔

دل پاش پاش ہونا: (سخت صدمہ پہنچنا) بیٹے کے انتقال کی خبر سن کر ماں کا دل پاش پاش ہو گیا۔

خون سفید ہونا: (محبت باقی نہ رہنا) موجودہ دور میں لوگوں کا خون سفید ہو گیا ہے، بھائی بھائی کا دشمن ہے۔

اونچی دکان پھیکا پکوان: (صرف نام ہی اونچا ہونا) بازار میں مٹھائی والے کی دکان کو بس یوں سمجھ لو کہ اونچی دکان پھیکا پکوان۔

اندھوں میں کانا راجا: (جاہلوں میں کچھ جاننے والا) منگو کوچوان اپنے اڈے میں سمجھ دار مانا جاتا تھا یوں وہ اندھوں میں کانا راجا تھا۔

جو گرجتے ہیں برستے نہیں: (شور مچانے والے کام نہیں کرتے) پاکستانی کرکٹ ٹیم بڑے بڑے دعوے کر رہی تھی لیکن ہندستانی ٹیم سے بری طرح ہار گئی، سچ ہے جو گرجتے ہیں برستے نہیں۔

(ii) (C) اداس ہونا۔ (1)

سوال نمبر13۔ (i) (B) سوالیہ (1)

(ii) (A) فجائیہ (1)

سوال نمبر14۔ (i) (A) مقطع (1)

(ii) (D) نظم معرا (1)

(iii) (B) چلے (1)

Section D (حصہ د)

سوال نمبر15۔ درج ذیل میں سے صرف دو کے جواب دیجیے۔ (2x2=4)

(i) ایک دن منگو کوچوان کے تانگے میں دو مارواڑی بیٹھے جدید آئین یعنی انڈیا ایکٹ کے حوالے سے باتیں کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ پہلی اپریل سے ہندستان میں نیا قانون نافذ ہو جائے گا،ہندوستانیوں کو آزادی مل جائے گی اور بہت کچھ بدل جائے گا۔ان مارواڑیوں کی باتیں سن کر منگو بہت خوش ہوا۔اسے لگا کہ اب گوروں سے ہمارا ملک آزاد ہو جائے گا، وہ ہندوستانیوں پر ظلم نہیں کر پائیں گے، ان کی حکومت ختم ہو جائے گی۔اس لئے "نیا قانون" کے آنے کی خبر سے منگو کوچوان خوش تھا۔

(ii) "عورت کا دل محبت کا سمندر ہوتا ہے"۔مصنف نے یہ بات اس لئے کہی ہے کیوں کہ عورت والدین،اولاد، بھائی بہن اور شوہر وغیرہ سے بہت پیار کرتی ہے اور اتنا پیار کرنے پر بھی اس کی محبت کم نہیں ہوتی جیسے سمندر میں سے کتنا ہی پانی کیوں نہ نکال لیا جائے پر پھر بھی اس میں بہت پانی باقی رہتا ہے۔

(iii) ماحول بچانا صرف سائنس دانوں ہی کا کام نہیں ہے بلکہ ہر شہری کی ذمہ داری ہے۔ موٹر گاڑیاں اور اس طرح کی دوسری سواریاں صرف سائنس دانوں کے پاس نہیں ہیں بلکہ مختلف لوگوں کے پاس بھی ہیں۔ اسی طرح کا رخانوں اور فیکٹریوں سے شہری ہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔شہریوں نے ہی آبادی، کھیتی باڑی اور کارخانوں کے لئے جنگلات کاٹے۔شہریوں ہی نے قدرتی وسائل کو کثرت سے استعمال کر کے ماحول کو آلودہ کیا۔اس لئے شہریوں کو چاہیے کہ ماحول کو بچانے کے لئے سائنس داں جو طریقہ کار بتائیں اس پر پوری طرح عمل کریں۔ہوا اور پانی کو خراب نہ ہونے دیں، جنگلات کاٹنے کے بجائے درخت لگائیں کیوں کہ شہریوں اور ان کی آنے والی نسلوں کو اسی ماحول میں رہنا ہے۔

(iv) مخلوط زبان سے ایسی زبان مراد ہے جس میں مختلف زبانوں کے الفاظ شامل ہو گئے ہوں۔ہر زبان نے کسی نہ کسی زمانے میں دوسری زبانوں سے کچھ نہ کچھ لفظ لئے ہیں۔جب کوئی قوم کسی زبان کو سیکھتی ہے تو اس قوم کی اپنی زبان میں غیر زبان کے الفاظ گھل مل جاتے ہیں اور یوں اس کی اپنی زبان غیر زبان کے میل سے مخلوط ہو جاتی ہے۔

سوال نمبر16۔ درج ذیل سوالات میں سے صرف دو کے جوابات لکھئے۔ (2x2=4)

(i) "عمرِ خضرؑ" سے شاعر کی مراد طویل عمر ہے کیوں کہ "عمرِ خضرؑ" کنایۃً ہمیشہ کی زندگی یالازوال زندگی کے لئے بولا جاتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ خضرؑ کی عمر بہت لمبی ہے۔ وہ قیامت تک زندہ رہیں گےاور بھولے بھٹکوں کو راستہ دکھائیں گے۔

(ii) 'غربت' پردیس کو بھی کہتے ہیں۔'آوارہ' اِدھر اُدھر گھومنے پھرنے والے کو کہتے ہیں۔ آوارہ غربت سے شاعر کی مراد پردیس میں بھٹکنے والا ہے۔'کنعان'ملک شام(سیریا)کاایک مقام ہے جہاں حضرت یوسفؑ پیدا ہوئے تھے۔شاعر نے کنعان کوبطورِ تلمیح استعمال کیا ہے۔ کنعان حضرت یوسفؑ کا آبائی وطن تھا جسے چھوڑ کر وہ مصر پہنچے تھے۔شاعر خود کو آوارہ غربت یعنی پردیس میں بھٹکنے والا کہہ رہاہےاوراپنے وطن کو کنعان۔جس طرح حضرت یوسفؑ کو مصر میں اپنے وطن کنعان کی یاد ستارہی تھی، اسی طرح شاعر کو بھی پردیس میں اپنے وطن کی یاد ستارہی ہے۔

(iii) "میرا حصّہ دور کا جلوہ" شاعر نےاس لئے کہا ہے کیوں کہ شاعر نےدربارِدہلی کا نظارہ دور سے کیاتھا۔ بھیڑ بھاڑ ہونے کی وجہ سےوہ تمام چیزوں کادیدارقریب سے نہیں کر سکاتھا۔لوگوں کے حصے میں کھانے پینے کی بہت سی نعمتیں آئیں مگرشاعر کے حصے میں صرف اور صرف دور کا جلوہ ہی تھا۔

سوال نمبر 17۔ درج ذیل سوالات میں سے صرف دو کے جواب لکھئے۔ (2x2=4)

(i) آئی۔سی۔ایس بننے کے بعد وحید میں یہ تبدیلی آئی کہ جب اسے مزید تعلیم وتجربہ حاصل کرنے کیلئے انگلستان بھیجا گیاتووہاں اس کی ملاقات آکسفورڈ میں پڑھی ہوئی ایک لڑکی جہاں آرا بیگم سے ہوئی جو ریاست مہیدرپور کے ایک رکنِ خاص صاحبزادہ شہاب الدین خاں کی بیٹی تھی۔چنانچہ شہاب الدین خاں کی اجازت اور جہاں آرا بیگم کی پسند پر دونوں نے وہیں بیاہ رچالیا۔جب نئی دلہن کے ساتھ وحید ہندستان واپس آیاتواسے یہ دھڑکالگاہواتھا کہ کہیں افلاس اوردیہاتیت کاپول نہ کھل جائے۔اس لئے اپنے غریب دیہاتی ماں باپ اور دوسرے لوگوں سے ملنے نہیں گیا بلکہ اپنی سسرال ریاست مہیدر پور میں رہا اور گھر خط بھیج دیا کہ میں فی الحال گھر نہیں آسکتا، والد

کے لئے برابر خرچ بھیجتا رہوں گا، کسی کو میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں۔اب وہ اپنے غریب دیہاتی والدین‌اور دیگر عزیزوں سے کترانے لگا تھا۔

(ii) پہلا فقیر شکل ہی سے بے کسی اور بے بسی کی تصویر نظر آرہا تھا۔اس کی حالت زار دیکھ کر مصنف کو اس پر رحم آیا۔

پہلے فقیر کا حلیہ قابل رحم تھا۔وہ فاقہ زدہ،خستہ حال‌اور ضعیف العمر آدمی تھا۔اس کے کپڑوں میں چیتھڑے لگے ہوئے تھے۔

(iii) مصنف نے گدڑی کا لال نور خاں کو کہا کیوں کہ وہ ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے لیکن ان کے اندر وہ خوبیاں تھی جو دولت مندوں میں نہیں پائی جاتی تھیں۔انھیں جو بھی کام دیاجاتا اسے بخوبی انجام دیتے تھے۔ وہ بہت زندہ دل انسان تھے۔ وہ بات کے کھرے،دل کے کھرے اور حساب کے کھرے انسان تھے۔ دوسروں کے غم میں شریک رہنے والے تھے گدڑی فقیروں کے پھٹے پرانے لباس کوکہتے ہیں‌اور لال (لعل) قیمتی پتھر کو۔جس کا مطلب یہ ہے کہ غریب اورعام لوگوں میں بھی صاحب کمال اور ہنر مند ہوتے ہیں۔ ایسے ہنرمند جو اپنے ہنر وکمال کا ڈھنڈورانہیں پیٹتے۔نور خاں ایک معمولی آدمی تھے لیکن ان میں غیر معمولی خوبیاں تھیں۔ایسی خوبیاں جو بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔وہ انتہائی ایماندار، شریف، فرض شناس، خوش اخلاق، محنتی اور مہمان نواز شخص تھےجو سچ بات کہنے میں کبھی تردد نہیں کرتے تھے۔ نور خاں میں یہ تمام خوبیاں تھیں جن کے سبب مصنف نے انہیں گدڑی کا لال کہا ہے۔۔سب سے بڑی چیز ان کے اندر خود داری بہت تھی اس لئے عبدالحق صاحب نے انھیں گدڑی کا لال کہا ہے۔

(iv) ظاہر ہے اب انجینیر اور گیا کے درمیان عہدے اور رتبے کی وجہ سے ایک خاص فرق پیدا ہو گیا تھا۔ جس کا دباؤ گیا پر پڑنا لازمی تھا۔ وہ بھلے ہی بچپن میں دوست اور ساتھی رہے ہوں لیکن جوان ہونے کے بعد بچپن کی معصومیت اور بھولا پن ختم ہو جاتا ہے۔اس لئے اگر میں گیا کی جگہ ہوتا تو میرا رویہ بھی وہی ہوتا جو گیا کا تھا۔

سوال نمبر18۔ درج ذیل اصناف میں سے کسی ایک پر نوٹ لکھئے۔ (1x3=3)

خاکہ نگاری

خاکہ کے لغوی معنی: کچا نقشہ، ڈھانچہ، اسکیچ یا لکیروں کی مدد سے بنائی ہوئی تصویر۔

خاکہ کے اصطلاحی معنی: ادبی اصطلاح میں خاکے سے مراد وہ تحریر ہوتی ہے جس میں نہایت اختصار کے ساتھ اشارے میں کسی شخص کا ناک نقشہ، عادات واطوار اور کردار کو سیدھے سادے انداز میں مبالغے کے بغیر اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ اس کی چلتی پھرتی تصویر سامنے آجاتی ہے۔

خاکہ نثری ادب کی ایک دلکش صنف ہے۔اس کا آرٹ غزل اور افسانے کے آرٹ سے بہت مشابہت رکھتا ہے۔مراد یہ کہ افسانہ وغزل کی طرح یہاں بھی اشارے کنایے سے کام لیا جاتا ہے کیوں کہ اختصار اس کی بنیادی شرط ہے۔خاکے میں کسی شخصیت کے نقوش اس طرح ابھارے جاتے ہیں کہ اس کی خوبیاں اور خامیاں اجاگر ہو جاتی ہیں اور ایک جیتی جاگتی تصویر قاری کے سامنے آ جاتی ہے۔ایک چیز ایسی ہے جو خاکے کی دلکشی میں اضافہ کرتی ہے وہ یہ کہ جس کا خاکہ پیش کیا جا رہا ہے اس کی کمزوریاں قاری کے دل میں اس کے لیے نفرت نہیں بلکہ ہمدردی پیدا کریں اور خاکہ پڑھ کر وہ بے ساختہ کہے کاش اس شخص میں یہ کمزوریاں بھی نہ ہوتیں۔

خاکہ کی خصوصیات: خاکہ میں سوانح حیات کی طرح واقعات ترتیب وار نہیں لکھے جاتے اور نہ ہی تمام حالات وواقعات کا بیان کرنا ضروری ہوتا ہے۔خاکہ نگار اسی شخصیت کا خاکہ لکھتا ہے جس سے وہ کسی نہ کسی طور پر متاثر ہوتا ہے لیکن اس کی تحریر سے مرعوبیت ظاہر نہیں ہونی چاہیے۔خاکے میں شخصیت کی خوبیوں اور خامیوں دونوں کو بیان کرنا چاہیے۔جس طرح خوبیوں کا بیان مرعوبیت سے پاک ہونا چاہیے اسی طرح خامیوں کے بیان میں ذاتی دشمنی اور بغض و نفرت کا پہلو نہیں آنا چاہیے۔جس کا خاکہ لکھا جارہا ہے اس کے چہرے پشرے اور اس کی نشست و برخاست کی پیش کش میں خاکہ نگار زیادہ نمک مرچ نہ لگائے۔

افسانہ

افسانہ بیسویں صدی کے آغاز کی پیداوار ہے تیزی سے بدلتے ہوئے زمانے کا ساتھ دینے کے لئے مختصرافسانہ خاص کشش رکھتا ہے۔افسانہ اس کہانی کو کہتے ہیں جس میں زندگی کی سچائیوں کا بیان ہو۔ نقادوں نے

افسانے کی مختلف تعریفیں کی ہیں ایک نقاد کا کہنا ہے کہ "افسانہ ایسی نثری تخلیق ہے جو ایک ہی نشست میں پڑھی جا سکے "۔ ایک اور نقاد کا کہنا ہے کہ افسانے میں بنیادی چیز وحدت تاثر ہے۔

افسانہ اختصار کے ساتھ زندگی کے کسی اہم گوشے کو ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ مختصر ہونے کی وجہ سے واقعات میں جھول ہونے کا اندیشہ بھی کم ہوتا ہے۔ افسانہ نگارکا مشاہدہ اور انسانی نفسیات کا مطالعہ گہرا ہوتا ہے۔ اردو کے اہم افسانہ نگاروں میں پریم چند، علی عباس حسینی، سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی، راجندرسنگھ بیدی، کرشن چندر، غلام عباس، قرۃ العین حیدراورانتظار حسین کے ناماہم ہیں۔ نئے افسانہ نگاروں کی بڑی تعداد ہے۔ اردومیں ادبی اصناف میں افسانے کا مرتبہ بہت بلند ہے بہت سے اردو افسانے دنیا کی دوسری زبانوں میں ترجمہ کیے جاچکے ہیں۔

غزل

غزل کے معنی محبوب سے باتیں کرنا، عورتوں کی باتیں کرنا، عورتوں سے باتیں کرنا ہیں۔ گویا بنیادی طور پر غزل میں عشقیہ مضامین بیان ہوتے ہیں۔ لیکن آہستہ آہستہ غزل میں دوسرے مضامین بھی داخل ہوتے گئے اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ غزل میں ہر طرح کے مضامین بیان ہو سکتے لگے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غزل آج بھی سب سے مقبول صنف سخن ہے۔ غزل کا ہر شعر اپنے مفہوم کے اعتبار سے مکمل ہوتا ہے۔اس لئے غزل کے ہر شعر الگ الگ مضمون کے ہوتے ہیں۔

جس طرح غزل میں مضامین کی قید نہیں اسی طرح اشعار کی تعداد بھی مقرر نہیں۔ غزل میں عام طور پر پانچ یا سات شعر ہوتے ہیں لیکن کچھ غزلوں میں زیادہ اشعار بھی پائے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی ایک ہی بحر اور ردیف و قافیہ میں شاعر ایک سے زیادہ غزلیں کہتا ہے اس کو دو غزلہ، سہ غزلہ اور چہار غزلہ کہا جاتا ہے۔

غزل کا پہلا شعر جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں مطلع کہلاتا ہے۔غزل میں ایک سے زیادہ مطلعے بھی ہو سکتے ہیں۔غزل کا آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص پیش کرتا ہے مقطع کہلاتا ہے۔ کبھی کبھی غزل کے درمیان کے شعر میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے لیکن ایسے شعر کو مقطع نہیں کہیں گے۔غزل کا سب سے اچھا شعر بیت

الغزل یا شاہ بیت کہلاتاہے۔ جس غزل میں ردیف نہ ہو شعر قافیےپرہی ختم ہوجائے اس غزل کو غیر مردف غزل کہتے ہیں۔

نظم

نظم کے لغوی معنی: انتظام ، ترتیب، آرائش اور موتیوں کو دھاگے میں پرونا۔

نظم کے اصطلاحی معنی: کسی خاص موضوع پر تسلسل کے ساتھ اشعار کی صورت میں اظہار خیال کو 'نظم' کہتے ہیں۔

عام اور وسیع مفہوم میں یہ لفظ نظم نثر کے مد مقابل کے طور پراستعمال ہوتا ہے۔اس سے مراد پوری شاعری ہوتی ہے۔اس میں وہ تمام اصناف اور اسالیب شامل ہوتے ہیں جو ہیئت کے اعتبار سے نثر نہیں ہیں۔

اصطلاحی معنوں میں غزل کے علاوہ تمام اصناف میں کی جانے والی شاعری کو 'نظم' کہتے ہیں۔لیکن جب ہم نظم کو بطور منفرد شعری صنف کے دیکھتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ نظم کا ایک مرکزی خیال ہوتا ہے جس کے گرد پوری نظم کا تانا بانا بنا جاتا ہے۔خیال کا تدریجی ارتقا بھی نظم کی ایک خصوصیت ہے۔طویل نظموں میں یہ ارتقا واضح ہوتا ہے۔جب کہ مختصر نظموں میں یہ ارتقا واضح نہیں ہوتا اور اکثر و بیشتر ایک تاثر کی شکل میں اُبھرتا ہے۔

نظم کی خصوصیات ہیئت کے اعتبار سے نظم کی چار قسمیں ہوتی ہیں۔پا بند نظم، نظم معرا، آزاد نظم اور نثری نظم۔نظم کا ایک مرکزی خیال ہوتا ہے جس کے گرد پوری نظم کا تانا بانا بنا جاتا ہے۔نظم کے لئے نہ تو ہیئت کی کوئی قید ہے اور نہ ہی موضوعات کی۔